OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 www.arjish.com ISSN (PRINT): 2707-1200
DOI: https://doi.org/10.53575/u18.v5.04(21)216-228

سرائیکی منثور ادب میں مزاحمتی نثر نگار

Resistance writer in Saraiki Manthoor Literature

Hafiz Muhammad Fiaz
Ph.D Scholar Department of Saraiki, The Islamia University, Bahawalpur.
Email: fiaz.muhammad1@gmail.com

Dr. Javid Hasaan Chandio
Chairman Department of Saraiki, The Islamia University, Bahawalpur.
Email: jawedchandio@gmail.com

Received on: 21-10-2021 Accepted on: 22-11-2021

Abstract

Saraiki Literature is thriving with astonishing speed and remarkable quality of literary qualities. Saraiki literature is touching almost every aspect of life as a subject matter in its all genres. The one theme which appears in all literary genres of Saraiki language that is of Resistance. Saraiki prose writers have resisted against the oppression of the state, feudal lords and against the politicians of Saraiki region who are responsible for the backwardness, poverty and deterioration of Saraiki region. In this article, it has been traced that how Saraiki prose writers are treating the theme of Resistance in their literary genres. This article has focused on the works of those writers who have created a very sound impact through their respective genres.

Keywords: Saraiki Literature, subject matter, genres, Resistance, oppression, deterioration, Saraiki region, theme

مزاحمتی ادب کی تخلیق ہر ملک، قوم اور تہذیب کے ادب میں ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی کیونکہ معاشرتی برائیاں، طبقاتی کشمکش، معاشی ناہمواری، سرمایہ دارانہ نظام، استحصالی قوتوں کی موجودگی ہر معاشرے کا لازمی جزو ہیں۔ معاشرتی ناہمواری معاشی ناہمواری کا لازمی نتیجہ ہے۔ کمزور اور طاقتور کی جنگ ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ ہر معاشرے کا ادب اپنے سماج کا عکاس ہوتا ہے اور معاشرے میں رونما ہونے والے ہر طرح کے واقعات، ہر طرح کے رویے، ہر طرح کی سوچ اور ہر طرح کے عمل ادب کا موضوع ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مظلوم لوگوں کی ارداس ہر زبان کے ادب کا ایک اہم اور بڑا موضوع بن کے سامنے آتا ہے۔ معاشرے کے باشعور ادیب اور شاعر اپنے شعور اور اپنی حساسیت کے ساتھ مظلوم لوگوں کی آواز بن کر اُس کی بہتری کے لیے اپنی تخلیقات میں مزاحمتی رنگ کو واضح کرتے ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر سبینہ اویس اعوان اپنے مضمون میں لکھتی ہیں:

"مزاحمتی ادب ہر اس ملک اور معاشرے میں پیدا ہوتا ہے جہاں سماج ظالم اور مظلوم میں تقسیم ہوتا ہے۔ جہاں سامراج کا تسلط ہوتا ہے، جہاں طبقاتی نظام کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں اور ذات پات کا فرق گہرا ہوتا ہے جہاں عوام بنیادی ضروریات اور عزت و وقار سے محروم ہوتے ہیں۔

اس صورتِ حالات میں معاشرے کے باشعور شعراء اور ادبا میں حالات کو تبدیل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ معاشرے میں پیدا ہونے والے ظلم اور ناانصافیوں کو محسوس بھی کرتے ہیں اور اُن کے خلاف آواز بھی بلند کرتے ہیں۔"(۱)

مزاحمتی ادب کا عکس سرائیکی ادب کے دونوں پہلو منظوم اور منثور ادب میں بھی نمایاں ہے۔ سرائیکی منثور ادب کا ایک خزانہ لوک ادب کی صورت میں موجود ہے۔ اس نثری سرمائے کو سرائیکی زبان کے محققین نے اکٹھا کر کے کتابی شکل میں جمع کیا ہے جس میں لوک کہانیوں کا ایک بڑا خزانہ اب کتابی شکل میں ہمارے سامنے آچکا ہے۔ ان لوک کہانیوں میں مزاحمتی ادب کی کئی مثالیں ملتی ہیں جن میں بہت سارے کردار ظلم و جبر کے خلاف مزاحمت کرتے نظر آتے ہیں َ۔ ان لوک کہانیوں میں ظالم اور طاقت ور قوتوں کے خلاف کمزور لوگ اور کمزور مخلوقات کو مزاحمت کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ سرائیکی لوک قصوں میں مزاحمتی ادب کے حوالے سے جس کہانی کا حوالہ اکثر ملتا ہے وہ ''مائی بُڈھڑی دا پھُلا'' ہے۔ یہ کہانی مزاحمتی ادب کا شاہکار ہے۔ اس میں ایک کمزور اور بوڑھی عورت کو اپنے حق کے حصول کیلئے طاقتوروں کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرتے ہوئے اپنے حق کے لیے لڑتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ کمزور لوگ اور کمزور مخلوقات کو خود سے زیادہ طاقت ور لوگوں اور مخلوقات سے لڑنے اور ان کے ظلم و جبر کو مٹانے کے موضوعات عام ہیں۔ غاصب اور ظالم کو اُس کے انجام تک پہنچتا دکھایا گیا ہے۔

اس طرح سرائیکی زبان کی لوک کہانیاں سرائیکی وسیب کی حقیقی اور اصلی زندگی کی ترجمانی کرتی نظر آتی ہیں۔ ان لوک کہانیوں میں مزاحمت کا رنگ تمثیلی، تجریدی اور علامتی رنگ میں موجود ہے۔ مزاحمتی ادب کے حوالے سے سرائیکی لوک کہانیاں بہت فصیح اور بلیغ ہیں۔ ان میں معنوں کی کئی تہیں موجود ہیں اور ان پرتوں میں قصہ کرنے والی اپنی بھڑاس اور اپنے اندر کا غصہ نکالتی ہیں اور طاقت ور کو اُن کے ظلم و جبر کی وجہ سے اُن کے برے انجام تک پہنچانے کی کوشش موجود ہے۔ ان لوک کہانیوں میں مکار عورتوں کو اپنے گھر والوں کے ساتھ بے وفائی کرتے دکھایا جاتا ہے۔ ان کی مکاری اور بے وفائی کے پیچھے دراصل سرائیکی وسیب کے مکار لوگوں کے اپنے وسیب کے لوگوں کے ساتھ کی گئی مکاری اور بے وفائی ہے کیونکہ ان کہانیوں میں اصل بات کو چھپا کر اشاروں کی زبان میں بیان کیا جاتا ہے۔ ادب کا خاصہ بھی یہی ہے کہ اس میں ہر بات کو کھول کھول کر پیش کرنے کی بجائے کنائے اور پردے میں بیان کیا جانا زیادہ موزوں ہوتا ہے۔

سرائیکی منثور ادب کی صنف ناول کی روایت زبان پاکستان بننے کے بعد شروع ہوئی۔ سرائیکی ادب کی اس صنف میں بھی مزاحمت کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ ناول انسانی زندگی کے مسائل سماج میں موجود ظلم، جبر اور محرومیوں کو کہانی کے روپ میں بیان کرنے کا نام ہے۔ سرائیکی زبان کے پہلے ناول نگار ظفر لاشاری کے ناول نازو میں تقسیم ہند کے پس منظر میں پیدا ہونے والے مسائل دُکھ اور پریشانیوں کے اس عمل کے دوران انسانوں پر ہونے والے ظلموں کو بیان کیا گیا ہے۔ سرائیکی منثور ادب میں نثری مزاحمت نگاروں کا سر سری جائزہ لیا جائے تو ان میں بہت سے نام نمایاں ہیں جن میں کچھ لوگوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

محمد اسماعیل احمدانی (پیدائش: 1930ء------وفات: 2007ء)

محمد اسماعیل احمدانی کا شمار سرائیکی زبان کے بڑے دانشوروں اور ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے سرائیکی میں دو ناول لکھے۔ ان کا پہلا

ناول ''چھولیاں'' کے نام سے شائع ہوا اور دوسرے ناول کا نام ''امر کہانی'' ہے۔اس ناول کو مزاحمت ادب کے زمرے میں شامل کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس ناول میں سرائیکی وسیب کے لوگوں کے ساتھ ہونے والے سیاسی استحصال کے بیانیے کو موضوع بنایا گیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ وسیبی سیاسی استحصالی طبقے کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر سرائیکی وسیب کے حقوق کی آواز کو بلند کرنے کی بات کی گئی ہے۔ناول نگار اسماعیل احمدانی نے سرائیکی وسیب کے لوگوں کے حقوق کی جنگ کو ادبی محاذ پر لڑنے کی بھرپور کوشش کی۔

فیاض حسین قاصر فریدی(پیدائش:1957ء------حیات:)

فیاض حسین قاصر فریدی سرائیکی ناول نگاری میں ایک بڑا نام ہے۔ان کا ناول ''سانول'' سرائیکی وسیب کی تہذیب اور ثقافت کی عکاسی کرتا ہے۔اس ناول میں انہوں نے بہت ساری سرائیکی رسموں،ریتوں کے خلاف مزاحمت بیان کی گئی ہے جو کہ معاشرے میں فرسودہ اور بیہودہ رسومات کا خاتمہ کرنے کی بہترین سعی ہے جن کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور معاشرے کا امن، چین اور سکون برباد ہوتا ہے۔ان کے ناول کے بارے میں حمید اُلفت لکھتے ہیں کہ :

قاصر فریدی کے ناول ''سانول'' کو وسیبی ناول کہا جاسکتا ہے۔جس میں بہرام خان اور اس کے بیٹے سانول کی کہانی معاشرے کی اونچ نیچ،زن از اور زمین کی وجہ سے بھائیوں کے درمیان غلط فہمیاں اور رسمیں ریتیں خاص طور پر وٹہ سٹہ کی رسم کو اس ناول کا حصہ بنایا گیا ہے۔''(۲)

وٹے سٹے کی شادی ایک معاشرتی مسئلہ ہے۔اس کے ساتھ کوشش تو یہ ہوتی ہے کہ دو گھر آپس میں جُڑ جائیں پر زیادہ تر ہوتا اس کے برعکس ہے۔اس طرح کی شادیوں میں ایک گھر کا سکون اور چین نہیں اُجڑتا بلکہ اس سے دو گھروں کے سکون اُجڑتے ہیں اور دو خاندان آپس میں دشمن بن جاتے ہیں۔اس حوالے سے وٹے سٹے کی شادی ایک معاشری برائی ہے اس برائی کے خلاف مزاحمت معاشرے کے امن اور سکون کی دلیل ہے۔

دلشاد کلانچوی(پیدائش:1915ء------وفات:1997)

دلشاد کلانچوی کا اصل نام عطا محمد ہے۔وہ غلام محمد اعوان کے گھر بستی کلانچ والا میں پیدا ہوئے۔سرائیکی زبان اور ادب میں جن لکھاریوں کا نام ہمیشہ کے لیے اَمر ہو گیا ان میں دلشاد کلانچوی کا نام بھی شامل ہے۔دلشاد کلانچوی بیکوقت ماہر لسانیات، مضمون نگار، شاعر،افسانہ نگار،ڈرامہ نگار اور ناول نگار ہیں۔ان کے ناول ''سارے سگن سُہاگڑے''میں مزاحمتی رنگ موجود ہے۔جس میں اُنہوں نے سرائیکی وسیب کے مسائل کے حل کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کے ناول کا مرکزی کردار ''فوزیہ'' ہے۔جو اپنے وسیب سے پیار محبت رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے وسیب کے مسائل کے لیے جہد وجہد کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ناول نگار اس کردار کے ذریعے سماج کے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے خلاف مزاحمتی آواز اٹھاتے دکھائی دیتا ہے۔اس ناول میں معاشرتی مسائل کی نہ صرف نشاندہی کی گئی ہے بلکہ ان وسیبی برائیوں اور مسائل کو ختم کرنے کے حل بھی بتائے گئے ہیں۔اس ناول کے بارے میں ڈاکٹر اسلم عزیز درانی لکھتے ہیں کہ :

دلشاد کلانچوی کی سب سے بڑی خوبی اُن کا خلوص اور سرائیکی وسیب سے بے پناہ محبت ہے۔یہی محبت اُن کے قلم میں قطرہ قطرہ بن کر صفحہ

قرطاس پر اُبھرتی ہے اور الفاظ میں ڈھل جاتی ہے۔ قاری اُن کے اس اخلاص سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ انہوں نے سرائیکی وسیب کے کچھ اہم مسائل کو اس ناول میں Discuss کرنے کی کوشش کی ہے۔(۳)

سرائیکی وسیب کا شمار پاکستان کے اُن علاقوں میں ہوتا ہے جنہیں پسماندہ رکھا گیا ہے۔ اور یہاں کے باسیوں کو نا صرف ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھا گیا ہے بلکہ اُن کے وسائل کا استحصال کیا گیا اور ان کی محرومیوں کو کم کرنے کی بجائے اُن کو بڑھایا گیا ہے۔ ان حالات کے بگاڑ میں غیروں کے ساتھ ساتھ اپنے وسیب کے طاقتور زمین داروں، جاگیر داروں، وڈیروں اور سیاسی لیڈروں کا بھی ہاتھ ہے۔ اس لیے سرائیکی زبان کے ادب میں ہر فنکار کی تخلیق میں اُن طاقتور وڈیروں اور بے حس سیاست دانوں کے خلاف مزاحمتی رویہ ایک بنیادی یا ذیلی موضوع بن کر سامنے آتا رہے۔

غلام حسین راہی گبول (پیدائش: 1952ء------حیات)

غلام حسین راہی گبول نے سرائیکی زبان میں پانچ ناول لکھے ہیں۔ ان کے ناولوں میں ''بھاگ سہاگ''، ''سجن دشمن'' پردیس ناونج، دلدار صدقے اور ''کونج'' شامل ہیں۔ غلام حسین راہی گبول اپنے ناولوں کو اصلاحی اور معاشرتی ناول کہتے ہیں۔ ان کے ناول میں اصلاح کا جذبہ بہت واضح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے ناولوں میں معاشرتی برائیوں اور معاشرتی مسائل کے خلاف ایک بھرپور مزاحمت نظر آتی ہے۔

سلیم شہزاد (پیدائش: 1957ء------حیات)

سلیم شہزاد ۱۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو بہاولنگر میں پیدا ہوئے۔ سلیم شہزاد سرائیکی شاعر اور ناول نگار ہیں۔ ان کی سرائیکی شاعری کی کتاب ''پیرس ٹُردا شہر'' اور دو سرائیکی ناول ''گھان'' اور ''پلوتا'' چھپ کر سامنے آچکے ہیں۔ ان کے ناول سرائیکی وسیب کے مسائل اور اس وسیب کے لوگوں کے ساتھ ہونے والے مظالم کے خلاف مزاحمت کا علامتی بیانیہ ہیں۔ ناول ''گھان'' میں سلیم شہزاد عالمی مسائل اور ان مسائل کے ذمہ دار طاقتور لوگوں کے خلاف مزاحمت کا عَلم بلند کرتے نظر آتے ہیں۔ ناول ''گھان'' اس حوالے سے بہت بڑا ناول ہے کیونکہ اس میں استحصالی قوتوں اور ان سازشوں کو نہ صرف بیان کیا گیا بلکہ اُن کو بے نقاب بھی کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان کے ناول ''پلوتا'' میں بھی مزاحمتی رنگ واضح ہے۔ سلیم شہزاد بنیادی طور پر ایک شاعر ہیں اور شاعر معاشرے کا سب سے حساس انسان ہوتا ہے۔ سلیم شہزاد کی حساسیت نے اُن کو ایک مزاحمتی ادیب بنا دیا۔ ناول ''پلوتا'' میں استعاراتی انداز میں سرائیکی وسیب کی لوٹ مار کی لمبی کہانی کو اس انداز میں بیان کیا جو اس میں نہ صرف سرائیکی وسیب کے مسائل سامنے آئے ہیں بلکہ اس ناول میں مزاحمت کا رنگ بھی واضح ہوتا نظر آتا ہے۔

حفیظ خان (پیدائش: 1956ء------حیات)

حفیظ خان سرائیکی زبان اور ادب میں ایک معتبر حوالہ ہیں۔ وہ ۱۹۵۶ء کو احمد پور شرقیہ میں پیدا ہوئے۔ حفیظ خان ایک مورخ، نقاد، ڈرامہ نگار، افسانہ نگار اور ناول نگار ہیں۔ انہوں نے سرائیکی زبان میں ڈرامے، افسانے اور ایک ناول لکھا ہے۔ ان کے ڈراموں، افسانوں اور ناول میں سماجی، سیاسی اور ثقافتی مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔

ان کی تخلیقات میں سرائیکی وسیب اور اس وسیب کے لوگوں کے ساتھ ہونے والے مظالم کے بارے میں مزاحمت ملتی ہے۔ حفیظ خان اور ان کی طرح کے وہ سرائیکی ادیب اور شاعر جو سرکاری محکموں سے وابستہ ہیں۔ ان کے لیے سرائیکی وسب کے لوگوں کے استحصال اور ان کے ساتھ ہونے والے مظالم کو اس طرح کھلم کھلا بیان کرنا قابل ستائش کام ہے۔ انہوں نے استعاراتی اور علامتی انداز میں اپنی لکھتوں میں مزاحمتی انداز اختیار کر کے وسیب کے لوگوں کی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کی، فرسودہ اور بیکار رسموں اور رواجوں کی نشاندہی کی اور اشاروں کنائیوں میں یہاں کے وڈیروں، جاگیرداروں، مذہبی ٹھیکیداروں اور سیاست دانوں کی خود غرضی اور بے حسیوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی۔ حفیظ خان کے ڈراموں میں خاص طور پر سرائیکی وسیب کے لوگوں کے مسائل، فرسودہ طور طریقوں کی رسموں کے بارے میں مزاحمتی رویہ ملتا ہے۔ ان کے افسانوں میں خود غرض اور بے حس سیاست دانوں کی بے حسی کو بے نقاب کرنے کی کوشش صاف نظر آتی ہے۔ حفیظ خان اپنی تخلیقات میں مزاحمت کو پروپیگنڈہ نہیں بننے دیا۔ وہ اپنی تخلیقات میں ادبیت کو برقرار رکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ فن کو مقصدیت پر قربان نہ ہونے دیں۔ یہی وجہ ہے کہ حفیظ خان کی تخلیقات میں مزاحمت اشاروں کنائیوں میں چھپی ہوئی ملتی ہے۔ حفیظ خان اپنی لکھتوں میں جن مسائل کی نشاندہی کرتے ہین ان کا تعلق صرف سرائیکی وسیب کے لوگوں کے ساتھ نہیں بلکہ ان مسائل کا تعلق پورے ملک اور دنیا کے لوگوں کے ساتھ ہے۔ حفیظ خان کے ڈراموں کی کتاب ''کچ دیاں ماڑیاں'' کے ڈرامے کے موضوعات کے بارے میں لکھتے ہوئے مرزا ادیب کہتے ہیں کہ :

"حفیظ خان نے اپنے ان ڈراموں میں موجودہ دور کے ان مسائل کو پیش نظر رکھا ہے جن کا سامنا پاکستان کے ہر حصے میں عوام کر رہے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا اور اہم مسئلہ بے روزگاری ہے۔ بے روزگاری میں انسان کیا کچھ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ڈرامہ نگار نے اس کا معاشی سطح پر بھی اور نفسیاتی سطح پر بھی حقیقت پسندانہ انداز میں جائزہ لیا ہے۔"(٤)

معاشرتی برائیوں کی نشاندہی اور معاشرتی مسائل کی پیش کش بھی مزاحمت کی ایک صورت ہے۔ معاشرے کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے اور اس کی بدصورتی Ugliness کو دور کرنے کی کوشش بھی مزاحمت کے زمرے میں آتی ہے۔ حفیظ خان اپنے ڈراموں میں کہیں نہ کہیں معاشرتی مسئلے کو ضرور پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ حفیظ خان ایک باشعور اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لکھاری ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں جن مظالم، دُکھوں، پریشانیوں، محرومیوں اور جبر کا ذکر کرتے ہیں ان محرکات کے نتیجے کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان کا مزاحمتی رنگ اصلاح اور مقصدی ہے۔ ڈاکٹر اے بی اشرف ان کے ڈراموں بارے میں لکھتے ہیں کہ :

"حفیظ خان کے ڈراموں میں خارجی اور باطنی تصادم ملتا ہے۔ یہ تصادم خیر و شر، عشق اور فرض، محبت اور کدورت کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ وہ ہر برائی کے پیچھے معاشرتی جبر اور نفسیاتی عوامل و محرکات کو فراموش نہیں کرتے۔ جب بھی کہیں کوئی غیر معمولی بات ہوتی ہے تو اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی محرک ضرور ہوتا ہے۔ وقوعات کے پس منظر میں علل اور اسباب سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ حفیظ خان اس حقیقت کو فراموش نہیں کرتے۔"(٥)

حفیظ خان کے افسانوں میں بھی مزاحمتی رنگ صاف نظر آتا ہے۔ انہوں نے نہ صرف سرائیکی وسیب کے مسائل، محرومیوں اور سرائیکی وسیب کے لوگوں کے ساتھ ہونے والے مظالم کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا بلکہ انہوں نے افسانوں میں سرائیکی وسیب کی سیاست اور یہاں کے سیاست دانوں کے کردار پر ان کی سنگدلی اور بے حسی کے خلاف ایک مزاحمتی رویے کو صاف طور پر محسوس کیا اور اپنے افسانوں میں بیان کیا ۔''اندر لیکھ داسیک'' حفیظ خان کے افسانوں کا دوسرا مجموعہ ہے۔ اس افسانوی مجموعے کے افسانے ''اندر لیکھ داسیک'' کے بارے میں رحیم طلب لکھتے ہیں کہ :

"اندر لیکھ داسیک" میں سیاست دانوں کی عوام سے روایتی بے حسی، شان، بے اعتنائی کا رویہ لحظہ لحظہ جھلکتا ہے۔ وہ دھرتی پہ فرعون نہیں بلکہ خدا بنا ہوا ہے۔ لیکن اللہ کی لاٹھی بے آواز بجتی ہے اور عبرت کے گہرے نشان چھوڑ جاتی ہے۔"(٦)

سرائیکی وسیب کے سیاست دانوں کی خود ساختہ سیاست کے خلاف حفیظ خان نے بھرپور مزاحمت کی ہے۔ ان کے افسانوں میں سیاست کے موضوع پر جو بھی افسانہ لکھا گیا اُس میں مزاحمت ملتی ہے۔

ان کے لکھے ناول ''اَدھ ادھورے لوک'' میں شعور اور لاشعوری طور پر سرائیکی وسیب میں ہونے والی سیاسی سازشوں، ظلم، جبر اور استحصال کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس ناول کا موضوع سرائیکی وسیب کے لوگوں کے ساتھ ہونے والا ظلم اور استحصال ہے جو وَن یونٹ کے نام سے کیا گیا۔ اس ناول کے ذریعے حفیظ خان اپنے تخلیقی ہنر کے ساتھ اس بات کو ریکارڈ پر لے آئے ہیں اور بطور ایک سچے اور کھرے سرائیکی ادیب کے انہوں نے اس حوالے سے اپنا احتجاج ریکارڈ کروایا، جو وَن یونٹ پاکستان کی سیاسی تاریخ کا سیاہ باب ہے جس کے ساتھ بے حس اور غاصب حکمران سرائیکی وسیب کے لوگوں کی تہذیبی، تاریخی اور جغرافیائی پہچان کو مٹا دینے کی سازش ہے۔ حفیظ خان اپنے ناول ''اَدھ ادھورے لوک'' میں لکھتے ہیں کہ :

"صدر ایوب خان نے بھاویں جو وَن یونٹ کو آپڑیاں بوٹاں دی دھمک نال چنگے ٹھوکویں طور تے مضبوط کر چھوڑیا ہا پر جبر دی سیمنٹ تے خوف دی بجری نال اُسارے گئے ایں تھمبے وچ پہلی گھرل اُوں ویلے پئے جڈاں جو اُونے بنیادی جمہوریت دے دُغزے نال صدارتی الیکشن وچ محترمہ فاطمہ جناح کوں شکست دے گھانڑ وچ دِھک چھوڑیا۔"(٧)

سرائیکی وسیب کے استحصال پر اس وسیب کے لوگوں کے ساتھ ہونے والے ظلم ستم کی تاریخ صدیوں پرانی ہے پر دُکھ کی بات یہ ہے کہ استحصال، ظلم اور جبر کا یہ سلسلہ کہیں رُکنے اور ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔ پاکستان بننے کے بعد ایک امید لگی تھی کہ اب اس خطے کے لوگوں کے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک کا خاتمہ ہو جائے گا، پر یہ سب ایک خام خیال ثابت ہوا۔

وَن یونٹ کے ساتھ ہی اس وسیب کے لوگوں کے ساتھ ہونے والا صدیوں پہلے کا ظلم و ستم کا بازار ایک بار پھر نئی شکل کے ساتھ شروع ہو گیا۔ حفیظ خان نے وَن یونٹ کے حوالے سے اس ناول میں بھرپور مزاحمتی رویہ اختیار کیا اور اس ناول کو سرائیکی کے مزاحمتی ادب میں ایک بہت بڑا اضافہ کہا جا سکتا ہے۔ اس ناول میں ادبی خصوصیات کے ساتھ ساتھ سرائیکی وسیب کے بارے حفیظ خان کی تاریخی، تہذیبی اور سیاسی

شعور قابل تعریف ہے اور بغیر کسی شک وشبہ یہ ناول مزاحمتی ادب کی تاریخ میں ایک اہم اضافہ ہے۔

سرائیکی ناول نگاروں کی طرح سرائیکی افسانہ نگاروں نے بھی اپنے افسانوں میں بھرپور مزاحمتی انداز میں افسانہ نگاری کی ہے۔ سرائیکی کے افسانہ نگاروں نے سرائیکی وسیب اور سرائیکی وسیب کے لوگوں پر ہونے والے جبر وظلم کو علامتی انداز میں پیش کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے کھُلے ڈُھلے لفظوں میں اس کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ مزاحمتی ادب کے حوالے سے جن افسانہ نگاروں کے افسانے قابل توجہ ہیں ان میں حبیب فائق، عامر فہیم، حبیب مہانہ اور اشولال کے نام قابل ذکر ہیں۔

حبیب فائق (پیدائش: 1933ء_____وفات: 2001ء)

حبیب فائق کا اصل نام حبیب اللہ خان اور قلمی نام حبیب فائق ہے۔ حبیب فائق نے سرائیکی شاعری، انشائیہ نگاری کے ساتھ ساتھ افسانے بھی لکھے۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ ''چیڑھیاں گنڈھیں'' مزاحمتی ادب کے حوالے سے ایک اہم افسانوی مجموعہ ہے۔ جس میں کل 21 افسانے ہیں۔ ان افسانوں کا واضح باب (Aspect) علامتی ہے۔ انہوں نے علامتی انداز سے کہانی کے پلاٹ کو آگے بڑھایا۔ ان کے افسانوں کے بارے میں عامر فہیم واضح انداز میں لکھتے ہیں کہ :

"سئیں انہاں وچ یارھاں کہانیاں سیاسی منظر اچ آمریت دے خلاف مزاحمت تے سئیں ست کہانیاں انسانی رویے دے ردِ عمل دے مطالعے دیاں کہانیاں ہن۔"(۸)

ان کے مجموعے کی پہلی کہانی ضیاء الحق کے مارشل دور کے ایک بدترین واقعے کو علامتی انداز میں پیش کرتی ہے۔ عوامی لیڈر ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی والی رات کو لوگوں کے احساسات وجذبات کو تخیل کی آنکھ سے جس انداز میں پیش کیا گیا اس کو ادب اور مزاحمتی ادب کا شاہکار کہا جاسکتا ہے۔ اس دو صفحات کے مختصر افسانے میں حبیب فائق نے جس طریقے سے پھانسی والی رات کو بیان کیا اور جس انداز سے پھانسی دینے کے بعد صبح کے اخباروں میں اس ظلم وجبر کو اخباروں کی زینت بننے کو پیش کیا گیا۔ یہ لاکھوں کروڑوں لوگوں کے مل کر احتجاج کرنے اور مزاحمت کرنے سے بڑھ کر اثر انگیز اور درد انگیز ہے۔ ہوٹھوں کو آنتوں سے سلائی کی ترکیب، آنکھیں گردن کی طرف ہونا، رنگوں کی جھولیوں میں ، کیکروں کے ساتھ لٹکنے، شام سے پہلے سڑکوں پر دیو کا پَر پِھر جانا، صبح گھروں کے طاق لپیٹ جانا، کندھوں کے کان بہرے ہونے، سولی پر آنے والی کِھل دا گھر گھر رباڑ دینا، رنگوں کی رَتوں کو آگ لگ جانا، خوشبو کی سنگت کا زمین سے ٹوٹنا، یہ سب کسی بھی طرح کے احتجاجی نعرے سے بڑھ کر مزاحمتی رنگ کے حامل ہیں۔ اس افسانے کا اختتامی پیرا گراف مزاحمتی ادب کا ایک خوبصورت نمونہ ہے۔

"دھمیں کوں اخباراں جو آئیاں تاں اُنہاں وچوں کئی ساریاں دے موبنہہ متھے کلوینْ چتھ گئی ہئی۔ لوکاں دیاں جیندیاں جاگدیاں اکھیں مندر یچ گیاں تے اُنہاندے بانہہ دیاں کوٹھیاں ڈھاندیاں گیاں۔"(۹)

اُردو زبان کے ادب کی طرح سرائیکی زبان کے ادب میں بھی عوامی لیڈر ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے عمل کے بارے بہت زیادہ مزاحمتی ادب تخلیق ہوا۔ اس واقعے نے سرائیکی وسیب کے لوگوں کو بھی بہت اثر انداز کیا کیونکہ ان کی سیاسی پارٹی سے سرائیکی وسیب کے لوگوں نے

بہت زیادہ امیدیں لگائی ہوئیں تھیں۔ بھٹو سرائیکی خطے کا ایک محبوب لیڈر بن چکا تھا۔ سرائیکی وسیب کے لوگوں کو بھٹو کی صورت میں ایک عوامی لیڈر مل چکا تھا مگر اس کی پھانسی نے اس خطے کے لوگوں کو جہاں اُداس کیا وہیں خطے کے لکھاریوں کی تخلیقات میں بھی اس واقعے کے بارے میں غم اور غصے کا اظہار مزاحمتی ادب کی صورت میں سامنے آیا۔ اس حوالے سے سرائیکی خطے کے جن لکھاریوں کی تخلیقات میں مزاحمت کا عنصر بہت زیادہ اور نمایاں ہے اُن میں حبیب فائق کا نام یقیناً تعریف کے قابل ہے۔ حبیب فائق کی مزاحمتی افسانہ نگاری کے بارے میں افسانے کے محقق اور نقاد ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں کہ :

"پاکستان وچ ڈکٹیٹر شب نے آپݨے حواری پیراں تے جاگیرداراں دی مدد نال جو کجھ ساڈے وسیب نال کیتے، اُوندے تناظر وچ سرائیکی وچ سوچݨ تے اظہار کرݨ اوی جیندی جاگدی مزاحمت دا ہک نشان اے، حبیب فائق دیاں بعض کہاݨیاں تلخی توں بغیر وی ایں مزاحمت دا علامتی اظہار ہن۔"(۱۰)

سرائیکی میں مزاحمتی ادب خاص طور پر سرائیکی نثر میں مزاحمتی ادب کے حوالے سے جن لکھاریوں نے سرائیکی ادب کو ثروت مند کیا اُن میں حبیب فائق کا نام ہمیشہ کے لیے اَمر ہو گیا۔

عامر فہیم (پیدائش:1950ء_____حیات)

عامر فہیم کا اصل نام ثناءاللہ ہے وہ شیخ غلام حسین کے گھر ۱۹۵۰ء کو راجن پور میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ایم اے اردو کر کے لیکچر شپ کی سرکاری ملازمت اختیار کی۔ سرائیکی ادب میں ان کا نام ایک علامتی افسانہ نگار کے طور پر ہمیشہ کے لیے اَمر ہو چکا ہے۔ ان کے علامتی افسانوں میں مزاحمت ایک اہم ترین حوالہ بن کے اُبھرا۔ ان کے افسانوں کی کتاب ''جاگدی اَکھ دا خواب'' سرائیکی افسانے کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان افسانوں میں انہوں نے علامتی انداز میں مزاحمتی رنگ اختیار کیا۔ عامر فہیم اپنے افسانوں میں مغربی تہذیب کی اندھادھند تقلید کرنے والوں کے خلاف مزاحمت کرتا نظر آتا ہے۔ مزدوروں، کسانوں اور غریبوں کے حقوق کی بات کرتا نظر آتا ہے، عورتوں کی آزادی کے بارے مزاحمت کرتا نظر آتا ہے اور امیروں، جاگیرداروں، زمینداروں اور سیاسی استحصال کے بارے میں مزاحمت کرتا نظر آتا ہے۔ قدسیہ قاسم عامر فہیم کے افسانوی مجموعے ''جاگدی اَکھ دا خواب'' کے افسانے ''اسم اعظم'' کے بارے تجزیہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ :

"افسانہ نگار اے ڈسݨ دی کوشش کیتی ہے کہ جتنے تک مزدور کسان غریب اپݨے حقوق کھسیسن کیناتاں انہاں کوں کوئی حق کوئینا ملسی اوایویں ہی استحصالی قوتاں دا شکار رہسن۔ حق انسان کوایویں آپ نہیں ملدا بلکہ کھساں پوندے۔ جدوجہد دے ذریعے قربانی دے ذریعے۔"(۱۱)

عامر فہیم کے تعلق بھی اُن ادیبوں سے ہے جن کو اپنی روزی روٹی کے لیے حکومت وقت کی نوکری کرنی پڑتی ہے اور ساتھ ساتھ ادب بھی تخلیق کرنا پڑتا ہے۔ اس قبیل کے لوگوں کے لیے کھل کر مزاحمتی ادب لکھنے کی آزادی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے ادیب اور شاعر اپنی تخلیقات میں علامت کے ذریعے کام لیتے ہیں اور اپنے حصے کا احتجاج کرتے ہوئے معاشرے کو خوبصورت، پُرامن اور انصاف کے ساتھ

ایک پرامن اور بہتر معاشرہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

احسن واگھا (پیدائش: 1949ء ______ حیات)

احسن واگھا کا اصل نام محمد احسن ہے۔ سرائیکی زبان اور ادب کے حوالے سے اُن کا نام بہت جانا مانا ہے۔ اُن کے اب تک کتابی شکل میں چار اہم ترین کام سامنے آچکے ہیں۔ دو افسانوی مجموعہ ''تھل کرن دریا'' اور، آدی واس، تحقیق کا کام انگریزی زبان میں ''سرائیکی لینگو یج اٹس گروتھ اینڈ ڈویلپمنٹ''، ان کی شاعری اور نثر کا مجموعہ ''اکھرے شبدے''۔ احسن واگھا کا شمار سرائیکی زبان کے اُن لکھاریوں میں ہوتا ہے جو ترقی پسند تحریک سے متاثر ہیں اور جنھوں نے ترقی پسند تحریک کے منشور کے تحت سرائیکی ادب میں ادب برائے ادب کی بجائے ادب برائے زندگی کے فلسفے کو سامنے رکھتے ہوئے ادب کو معاشرے اور معاشرے کے لوگوں کا ترجمان بنایا۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں اپنے وسیب کے مسائل، ان کی محرومیاں اور ضرورتوں کو اپنی لکھتوں میں پیش کیا اور سرائیکی افسانے میں سرائیکی علاقے میں شروع ہونے والی سیاسی سوچ اور فکر کو آگے بڑھایا۔ ان کے افسانوں میں علامتی انداز میں تاریخی، معاشی اور معاشرتی مسائل کی نشاندہی موجود ہے۔

عبدالباسط بھٹی (پیدائش: 1958ء _____ حیات)

عبدالباسط بھٹی قادر بخش کے گھر احمد پور شرقیہ کی ''چاچا وستی'' میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ایم اے اکنامکس اور ایم اے سرائیکی کیا۔ ان کا شمار سرائیکی کے اہم دانشوروں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد سرائیکی زبان کے ادب کی ترویج کو بنایا ہے۔ ان کی تخلیقات میں Travelogue، افسانہ نگاری، انشائیہ نگاری اور خاکہ نگاری شامل ہے۔ انہوں نے سرائیکی میں تراجم بھی کیے ہیں۔ ان کے افسانوں میں مزاحمتی رنگ بہت نشابر ہے۔ انہوں نے سرائیکی وسیب کی محرومیوں، مسائل اور ان کے استحصال کو اپنے افسانوں میں بھرپور انداز کے ساتھ پیش کیا۔ ان کا انداز مزاحمتی ہے۔ انہوں نے کھلے لفظوں میں سرائیکی وسیب کے لوگوں کے حقوق کی بات کی ہے اور ان کا استحصال کرنے والوں کی مزاحمت کی ہے۔ عبدالباسط بھٹی سرائیکی وسیب کے استحصال کرنے والوں کو اپنے افسانوں میں بے نقاب کرنے کی شعوری طور پر کوشش کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں سیاست کے نام کی دو نمبر اور ریاکاری کو بھی بے نقاب کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے سرائیکی وسیب کی محرومیوں کے خلاف بھی بھرپور مزاحمت کی ہے۔ ان کے افسانوں میں وسیب کے ساتھ محبت اور سرائیکی وسیب کو پھلتا پھولتا دیکھنے کی خواہش میں ایک قسم کی مزاحمت پائی جاتی ہے جو کہ سرائیکی وسیب کی خراب حالت اور وہاں کی محرومی اور استحصال کا نتیجہ ہے۔ عبدالباسط بھٹی کی افسانہ نگاری کے بارے میں سرائیکی زبان کے نوجوان محقق اور نقاد عصمت اللہ شاہ لکھتے ہیں کہ :

"باسط بھٹی دا قلم چلدے تاں وسیب دے مکروہ تے کھورے چہریاں دے نقاب پاڑ چیر کے رکھ ڈیندے، مونجھے ماندے پھیندے، وپھیندے مریندے ویسب واسیاں دے ڈکھاں کوں زبان ملدی اے۔ لکھاری دے افسانے چیک چیک تے زور آور دھاڑیل تے ڈاڈھے لوکاں دے ظلماں دے قصے سنوٗیندن۔ دروھ، ڈڈھپ، کھس کھوہ، غربت، ٹکھ ننگ، وڈیرہ شاہی "وکائو چھانورا" دے وڈے موضوعات ہن۔"(۱۲)

سرائیکی نثر میں مزاحمتی ادب کے حوالے سے عبدالباسط بھٹی کاافسانہ ''لیڈر'' اور ''وکاؤ چھانورا'' بہت توجہ طلب ہیں۔ان دونوں افسانوں میں سرائیکی وسیب میں موجود غربت ، افلاس، بھوک، دُکھ اور محرومیوں کے بارے لکھاری نے اپنے کمال تخلیق انداز میں روشنی ڈالی۔ سرائیکی وسیب کی نمائندگی کرنے والے سیاست دانوں کی ریاکاری، مکاری، سفاکی اور بے دردی کو بھی بے ناب کرنے میں عبدالباسط بھٹی کا ہنر پڑھنے والے کو بے چین اور دُکھی کر دیتا ہے۔

قاصر فریدی (پیدائش: 1957ء______ حیات)

قاصر فریدی کا اصل نام فیاض حسین ہے۔وہ ۱۹۵۷ء کو فدا حسین خان کورائی کے گھر پیدا ہوئے۔ سرائیکی کے افسانوی ادب میں ان کی پہچان ایک ناول نگار اور افسانہ نگار کے طور پر ہے۔ان کے افسانوں کی کتاب ''آدم جایا'' سرائیکی میں مزحمتی ادب کے حوالے سے کافی اہمیت کی حامل ہے۔انہوں نے اپنے افسانوں کی اس کتاب میں اپنے افسانوں کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"میں تاں جیڑھا کچھ اکھیں نال ڈٹھم او ہو دا او ہو سدھے سوہنٔے تے کھلیے پاڑے اکھریں سچ لکھ ڈتم، اینکوں بھانویں کوئی ادب سمجھے تے بھانویں نہ سمجھے، میکوں ایں نال کوئی سروکار نی۔(۱۳)

حقیقت پسندی اور حقیقت نگاری کو اپنی لکھتوں میں پیش کرنے والا لکھاری معاشرے میں موجود ریاکاری، برائیوں اور مظالم کے خلاف اپنا احتجاج محفوظ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قاصر فریدی بھی ایک حقیقت پسند لکھاری کی طرح اپنی لکھتوں میں حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے جو کچھ معاشرے میں ہو رہا ہے اس بر ملا اظہار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قاصر فریدی کے افسانوں میں معاشری برائیاں اور معاشرتی مسائل کو حل کرنے کی یہ کوشش ان کو سرائیکی افسانوی نثر میں ایک مزاحمتی ادیب کے طور پر پیش کرتی ہے۔ قاصر فریدی کی مزاحمتی لکھتوں کے بارے میں قدسیہ قاسم نے لکھا ہے کہ :

" قاصر فریدی سرائیکی دا او لکھاری بن تے سامنٔے آئے جیں وسیب تے تھیونٔ والا ہر ظلم، جبر، ناانصافی تے زیادتی کوں کہیں رورعایت کیتے بغیر بیان کر چھوڑے اوں انہاں لوکیں کوں وی پدھرا کر ڈتے جیڑھے عموماً غلافاں وچ ولیٹے راہندے ہن، لوک جنھاں کوں سجدے کریندے ہن۔ انہاں آپنٔے وسیب وچ جو کجھ ڈٹھے محسوس کیتے او کوں لکھ چھوڑے او انقلابی لکھاری بنٔ تے اساڈے سامنٔے آندے۔ (۱٤)"

قاصر فریدی کے افسانوں کے مجموعے ''آدم جایا'' کے دو افسانے معاشی مسائل اور جبر کے حوالے سے بہت دردناک ہیں۔افسانہ ''سینکلی'' میں سرائیکی وسیب کے استحصال کے نتیجے میں بھوک، غربت اور محرومی کے حوالے سے یہ افسانہ مزاحمت کی ایک بہترین مثال ہے۔اس میں ایک باپ کی بے بسی پورے سرائیکی وسیب کی پسماندہ حالت پر نوحہ بن کے بچوں کی آوازوں کی شکل میں پڑھنے والے کے کانوں تک پہنچتی ہے۔ایسے ہی افسانہ ''آدم جایا'' بھی مزاحمتی ادب کے حوالے سے ایک اہم افسانہ ہے۔ یہ افسانہ غریب کی غریبی، ظالم کے ظلم پر سرائیکی وسیب کے لوگوں کی مجموعی خستہ حالی کا ایک خوبصورت مرقع ہے اور مزاحمتی ادب کا ایک خوبصورت نمونہ ہے۔

سرائیکی نثر میں افسانہ وہ نثری صنف ہے جس میں مزاحمتی ادب کے سارے خدوخال نشابر ہو کر سامنے آئے ہیں۔ سرائیکی وسیب کے لوگوں کے استحصال کی داستان کو سمجھنے کے لیے سرائیکی افسانے کا مطالعہ کافی ہے۔ اس وسیب کے لوگوں کی زندگی پر ان کی زندگی کے سارے دُکھوں ، محرومیوں پر ان کے وسائل کی لوٹ مار کو سرائیکی زبان کے افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں بڑے موضوعات بنا کر پیش کیا۔

سرائیکی زبان میں ڈرامے کی روایت بہت پرانی ہے مگر اس کے باوجود سرائیکی زبان میں نثر میں لکھے گئے ڈراموں کی گنتی بہت کم ہے۔ جدید دور میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی نشریات کی شروعات کی وجہ سے سرائیکی وسیب میں بھی ریڈیائی ڈراموں اور بعد میں ٹیلی ڈراموں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ ان ڈراموں میں زیادہ تر سماجی اور معاشری مسائل کو پیش کیا گیا۔ سرائیکی ادب میں ریڈیائی اور ٹیلی ویژن کے ڈراموں کے موضوعات بارے محمد عارف لکھتے ہیں کہ :

"ریاستی ادارے ہوون پاروں ریڈیو تے ٹیلی ویژن دے ڈرامیاں وچ سرائیکی قومیت، سرائیکی استحصال تے سرائیکی وسیب دے مسائل تے محرومیاں کوں زیادہ موضوع نی بنایا گیا۔ پر ایندے باوجود کجھ سرائیکی ڈرامہ نگاراں دے ڈرامیاں وچ مزاحمتی رنگ موجود ہئی۔"(۱۵)

بے شک ریڈیو اور ٹیلی ویژن سرکاری ادارے ہونے کی وجہ سے ڈرامہ نگار کے لیے اس بات کی گنجائش اور اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ سرکاری اداروں سے نشر ہونے والے ڈراموں میں سرائیکی قومیت، سرائیکی وسیب کے ساتھ ہونے والی ریاستی زیادتیاں اور ریاستی جبر کو پیش کیا جائے، مگر اس کے باوجود سرائیکی وسیب کے استحصال اور سرائیکی وسیب کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کو کچھ ڈرامہ نگاروں نے علامتی انداز میں پیش کر کے سرائیکی ڈرامے کو بھی سرائیکی وسیب کا ترجمان بنایا۔

سرائیکی نثری ادب میں کتابی صورت میں کئی ڈراموں کے مجموعے چھپ کے سامنے آچکے ہیں۔ ان ڈراموں میں ''کچ دیاں ماڑیاں''، ''سُنج صباحیں''، ''کنوار'' تے ''نکڑ ناٹک'' شامل ہیں۔ ان ڈراموں میں مزاحمتی رنگ نظر آتا ہے۔ ان ڈراموں میں بھی سرائیکی وسیب کے لوگوں کی خستہ حالی کے ساتھ ساتھ سرائیکی وسیب میں موجود معاشرتی برائیاں بھی بے نقاب ہوتی نظر آتی ہیں۔ ان میں مزاحمت کا رنگ اس لئے واضح نہیں ہے کیونکہ ان ڈراموں میں بہت سارے ڈرامے سرکاری ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے نشر ہوتے رہے، مگر اس کے باوجود سرائیکی ڈرامہ نگاروں نے علامتی انداز میں ڈراموں میں مزاحمتی ادب کو رواج دیا۔

سرائیکی ڈرامہ نگاروں نے شعوری طور پر سرائیکی وسیب کے لوگوں کی غربت کی وجوہات کو موضوع بنایا، سرائیکی لوگوں کی محرومی کی وجوہات کو ڈراموں میں پیش کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے ڈراموں میں سرائیکی وسیب کی عورت کے ساتھ ہونے والے مظالم اور اس کی خستہ حالی کو بھی اپنے ڈراموں میں پیش کیا۔ اس قسم کی مزاحمتی ڈرامہ نگاری شعوری طور پر کی تاکہ اپنے وسیب میں خوشحالی اور خوبصورتی لائی جا سکے۔

سرائیکی ڈرامے میں مزاحمتی ادب کے حوالے سے خالد اقبال کا نام بہت اہمیت کا حامل ہے۔ خالد اقبال ایک شاعر بھی ہے اور ڈرامہ نگار بھی ہے۔ ان کے ڈراموں میں سرائیکی وسیب اور سرائیکی وسیب کے لوگوں کا استحصال کرنے والوں کے خلاف بھرپور مزاحمت ملتی ہے۔ خالد اقبال کے ڈراموں کا مجموعہ ''نکڑ ناٹک'' سرائیکی وسیب میں موجود مسائل کی نشاندہی بھی کرتا ہے اور ان مسائل کو پیدا کرنے والے کے

خلاف آواز بھی اُٹھاتا ہے۔ خالد اقبال کے ڈراموں میں موجود مزاحمتی باب کے بارے میں محمد عارف نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ :

"مزاحمت ادیب دا خاصہ ہے۔ اُوا اپنڑے ارد گرد تے جگ جہان وچ کھتائیں وی پاتی ونجڑ آلی بُرائی، بدصورتی، ظلم، ناانصافی، جبر تے استحصال کو ں بے نقاب وی کریندے تے ایندے خلاف آواز وی چیندے۔ خالد اقبال وی اپنڑے ارد گرد تے جگ جہان وچ تھیونڑ آلے مظالم، جبر، استحصال، بے انصافیاں تے تخریب کاریاں دے خلاف جہاد کریندا نظر آندے۔ خالد اقبال دے ہر ہر ڈرامے وچ ایں طرح دیاں معاشرتی بُرائیاں، معاشرتی مسائل تے ناروا سلوک دے موضوعات عام ہن۔"(١٦)

خالد اقبال کے ڈراموں کی کتاب ''نکڑ ناٹک'' میں پیش کیے گئے ڈرامے میں مزاحمت کا رنگ اتنا واضح نہیں، پھر بھی ان ڈراموں میں عورت کا کردار بھی پیش کش ایک باہمت اور مضبوط عورت کی شکل بھی ہے۔ عورت کا کردار اپنے سماج کے خلاف لڑنے کا حوصلہ بھی رکھتی ہے اور لڑنا بھی جانتی ہے۔ خالد اقبال کے اس مجموعے میں دو ڈرامے ایسے ہیں جن میں عورت مزاحمت کا استعارہ بن کر سامنے آتی ہے۔ خالد اقبال کے ڈراموں کے اس مجموعے کا پہلا ڈرامہ ''ماس اتے مٹی'' اس حوالے سے بہت معنی خیز ہے کہ اس میں نازو اور خاتون جرنلسٹ کا کردار بہت جاندار ہے اس معاشرے میں اپنی عزت کے حق کی جنگ لڑتی اور ثابت قدم رہتے ہوئے باہمت عورتیں ہیں۔ ان کے کردار اس معاشرے میں کامیاب مزاحمت کرتی نظر آتی ہیں۔ ان کی مزاحمت قابل تعریف اور قابل ستائش ہے۔ خالد اقبال کے ڈراموں میں اس باب پر روشنی ڈالتے ہوئے سرائیکی کے معتبر ڈرامہ نگار اور نقاد حفیظ خان لکھتے ہیں کہ :

"خالد اقبال دے ڈرامیاں دی خاص گالھ عورت کوں اوندے مضبوط، مستعد تے فعال کرداراں دی صورت نقش کرنا ہے، خاص طور تے اُون معاشرے وچ جتھاں عورت کوں پیراں دی جُتی سمجھنڑ وچ کوئی شرمندگی محسوس نی کیتی ویندی۔ میڈے نزدیک ایں شعوری کوشش وچ خالد اقبال دی آپڑیں فکر توں علاوہ سرائیکی زبان اتے اوندی ثقافتی جڑت کوں وی نظرانداز نی کیتا ونج سگیندا کہ جیندے وچ عورت ہمیشہ فعالیت، زرخیزی تے حیات بخش قوت دی علامت دے طور تے سامنڑے آندی رہی ہے۔"(١٧)

عورت کے کردار کو اس طرح پیش کر کے خالد اقبال نے اس معاشرے کے خلاف مزاحمت کی ہے۔ جیسا کہ عورت کو کمتر، حقیر سمجھتے ہیں۔ وہ معاشرے جس میں عورت کو اس کے جائز حقوق دینے کی بجائے ان کو کمزور سمجھ کے اس پر ظلم کرتے ہیں، اس کا استحصال کرتے ہیں۔ خالد اقبال کے ڈرامے میں عورت اپنی عزت کی حفاظت کرتے ہوئے بھی نظر آتی ہے اور دوسری عورت کے حقوق کے لیے لڑتی بھی نظر آتی ہے۔ ایسے کردار کی تخلیق سے لکھاری مرد کی معاشرے میں جو چودھراہٹ اور اجارہ داری قائم ہے اس کے خلاف بھرپور قسم کی مزاحمت کو ظاہر کرتا ہے۔ خالد اقبال کے ڈرامے ''کراہ'' میں بھی ایک غریب رکشا ڈرائیور کی بیٹی کا کردار بہت ہمت اور عزم والا دکھایا گیا ہے۔ ارم نامساعد حالات کے باوجود B.A کی تعلیم حاصل کر چکی ہے اور ٹیوشن پڑھا پڑھا کر کچھ پیسے جمع بھی کرتی ہے، مشکل وقت میں اپنے والدین کو دیتی ہے۔ ارم کا کردار بہت مختصر سا ہے پر اس میں ہمت اور عزم کے سلیقہ طریقہ ایک غریب گھرانے کے لیے ایک مضبوط سہارا محسوس ہوتا ہے۔ ان کی لکھتیں معاشرے میں موجود برائیوں کو بے نقاب کرتی ہیں اور معاشرے میں بگاڑ، معاشرتی بدصورتیاں اور ناانصافیوں کو ختم کرنے

کے جذبے کو ظاہر کرتی ہیں۔ سرائیکی نثر نگار جہاں سرائیکی زبان کے ادب کو نثر سے مالا مال کرنے کی شعوری کوشش کی وہاں انہوں نے سرائیکی ادب میں شعوری طور پر اس وسیب کے ساتھ ہونے والی تاریخی، تہذیبی، معاشی اور معاشرتی زیادتیوں کے خلاف مزاحمت بھی کی ہے۔ سرائیکی ادب کی ہر صنف میں جہاں بھی لکھاری کو موقع ملا وہاں سرائیکی وسیب کے استحصال کے خلاف مزاحمت کی گئی۔

مسرت کلانچوی بھی سرائیکی ڈرامہ نگاروں کی فہرست میں ایک اہم ڈرامہ نگار ہے۔ان کے افسانوں میں معاشرتی برائیاں اور معاشرتی مسائل کو ختم کرنے کی ایک شعوری کوشش نظر آتی ہے۔انہوں نے اپنی تخلیقات کو مزاحمتی رنگ دیا ہے۔ مسرت کلانچوی کا شمار سرائیکی کے اُن لکھاریوں میں ہوتا ہے جنہوں نے سرائیکی میں ڈرامے کو کتابی شکل میں شائع کروانے کی کوشش کی۔ مسرت کلانچوی ایک عورت ہونے کے ناطے عورتوں کے استحصال اور عورتوں پر ہونے والے مظالم کی بھرپور مزاحمت کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

مختصر یہ کہ سرائیکی منثور ادب، کے تخلیق کاروں میں بھی مزاحمتی رنگ موجود ہے اور یہ مزاحمت سماج کے ناپید حالات، جاگیردارانہ، سیاسی استحصال اور غیر منصفانہ معاشی تقسیم کے برعکس پیدا ہوئی ہے۔ان مسائل کے اثرات سرائیکی منثور ادب کے تخلیق کاروں پر پڑے ہیں اور انہوں نے اپنی لکھتوں میں بیانیہ، تجریدی اور علامتی انداز سے ان کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔اس مزاحمت کا بنیادی مقصد سرائیکی خطے کے لوگوں کی محرومیاں اور ان کے ساتھ ہونے والے معاشی و معاشرتی جبر و استحصال کو روکنا ہے۔

References

1- Awan, Sabeena Awais, Pakistani urdu na am main mazahmti anasir, mushmola Almas,tehqeqi journal23, p :77
2- Malghani,Hameed ulfut, likhat ty likhari, Multan,saraiki adbi board, 2003,p:69
3- Aslam aziz durrani, Dr, saraiki novel nigari, Multan, saraiki adbi board, 2008,p:143
4- Mirza adeeb, kuch diyan mariyan, mushmola Hafeez khan ki tukhliqi jehten, Asmatullah shah, Multan, institute of policy and research, 2010,p:181
5- AB Ashraf, Dr, Hafeez khan da daramai fun, mushmola Hafeez khan ki tukhleeqi jehten, Asmatullah shah, Multan institute of policy and research, 2010,p:180
6- Rahim Talub, Hafeez khan di afsana nigari, mushmola, ander lekh da seek,, Hafeez khan, Multan, saraiki adbi board, 1998,p:9
7- Hafeez khan, adh adhory log, Multan institute of policy and research, 2018,p:228
8- Aamir Fahim, saraiki Kahan da gotum, mushmola, cherhiyan gundheen, Habib faiq, Multan, saraiki adbi board, 1998,p:14
9- Habib faiq, cherhiyan gundheen, Multan, saraiki adbi board, 1998,p:19
10- Anwaar Ahmad Dr, Kahan da kasab, mushmola, cherhiyan gundheen, habeeb faiq, Multan, saraiki adbi board, 1998,p:12
11- Qudsia Qasim, saraiki afsany da funi wewra, Bahawalpur,waseeb publishers, 2008,p:67
12- Asmatullah shah, Abdul basit Bhatti likhtan ty nirwar, Multan, jhook publishers, 2015,p:643
13- Qasir Fareedi, aadum Jaya, Rahim yaar khan, sanwal saraiki adbi academic, 1997,p:7
14- Qudsiya Qasim, saraiki afsany da funny wewra, Bahawalpur, waseeb publishers, 2008,p:290
15- Mohammed Aarif, saraiki afsanvi nasar, hik mukhtasar jaiza, mushmola, peelon28, mudeer anwaar Ahmad, Multan, peelon publications, 2020,p:170
16- Moha mad Aarif, Khalid iqbal di drama nigari, mushmola, peelon 28, Multan, peelon publications, 2020,p:170
17- Hafee, khan, peshlufz, mushmola, nukar natuk, Multan, Adbi sungat, 1998,p:52.